مرثیہ درحال حضرت امام حسین علیہ السلام (بند۲۱۱)

دعبلِ ہند نواب مولانا سید فرزند حسین نقوی ذاخرؔ اجتہادی

(۱)

تاجِ سرِ کلام ہے دُرِّ سخن مرا
نیسانِ دُرفشاں سے فزوں ہے دہن مرا
جنّاتِ عدن سے نہیں کچھ کم عَدَن مرا
آبِ گہر سے سبز ہوا ہے چمن مرا
یہ صنعِ حق دکھائی مری کشت زار نے
سجدے کئے جبینِ عروسِ بہار نے

(۲)

رکھتا ہے ایک ایک گلِ تر ہزار رنگ
دکھلاتے ہیں گلوں کی طرح برگ و بار رنگ
وہ حسنِ دلفریب کہ جس پر نثار رنگ
ہے جذبِ دل سے پھولوں کی گردن کا ہار رنگ
غنچے بڑھے یہ حد سے کہ پھولوں سے بڑھ گئے
شاخوں کے سر پہ کیا، کہ نگاہوں پہ چڑھ گئے

(۳)

کانٹے بھی اِس چمن کے رگِ گل سے کم نہیں
دامن کسی کا منتِ شبنم سے نم نہیں
گردوں کے کنگروں کو یہ رفعت بہم نہیں
سر آسمان پر ہیں، زمیں پر قدم نہیں
ہر صبح آسماں کے جگر سے گذر گئے
آئی شعاعِ مہر اِدھر، یہ اُدھر گئے

(۴)

یوں بارور کبھی نہیں ہوتیں زراعتیں
پھلتی نہیں جہاں میں کبھی یوں ریاضتیں
جب تک ہیں گردشوں میں زباں پر روایتیں
باقی رہیں گی میرے چمن کی حکایتیں
فانی ہوں، پر ہے اِس کی بقا کی خبر مجھے
نکلوں گا قبر سے تو ملے گا ثمر مجھے

(۵)

نسبت ہے اِس سے کیا چمنِ روزگار کو
ہے اس سے رشک، چرخِ زبرجد نگار کو
کرتا ہے جذب رحمتِ پروردگار کو
جو گل ہنسا، رُلا دیا ابرِ بہار کو
دامانِ باغ نکہتِ جنت سے بس گیا
جس جا سے ابر اُٹھا تھا، اُسی جا برس گیا

(۶)

غوّاصِ فکر غرق رہے اِس کی چاہ میں
عالم میں سر بکف رہا ذہن اِس کی راہ میں
تنویر اس کی آئی نہ چشمِ سیاہ میں
پتلی کی طرح تھا، پہ نہ آیا نگاہ میں
ڈھونڈا بلند و پست کو موجِ نسیم نے
آخر پتا بتا دیا، گل کی شمیم نے

(۷)

آئینوں کی ہیں برگ میں پیدا صفائیاں
پتّوں میں گل کی طرح سے ہیں کج ادائیاں
کرتا ہے عکس باغ میں معجز نمائیاں
اونچے ہوئے وہ کرتے تھے جو جبہہ سائیاں
جو چیز پست تھی وہ سرِتاج ہوگئی
سبزے کو صحنِ باغ میں معراج ہوگئی

(۸)

وہ گل ہیں بوستانِ عدیم المثال میں
مشکل سے جن کا رنگ سمایا خیال میں
حیراں ہوں صنعتِ قلمِ ذوالجلال میں
اُترا ہوا ہے رنگِ چمن ہر نہال میں
دیکھے اگر تو چشمِ بصیرت بھی بند ہو
ہر شاخ کہکشانِ فلک سے بلند ہو

(۹)

خواہش نمو کی ہے کہ نکل آئیں گل میں گل
رنگِ چمن کی طرح جگہ پائیں گل میں گل
گلدستہ شاخِ نخل کو دکھلائیں گل میں گل
حکمِ ہجوم ہے کہ سما جائیں گل میں گل
دل تنگ ابھی سے وسعتِ صحنِ خیال ہے
کلیاں بھی کھل گئیں تو سمائے محال ہے

(۱۰)

پودے پھپک رہے ہیں جگہ کی ہے یہ کمی
بُو، گھٹ کے گل سے، چھوڑتی ہے ربطِ باہمی
مانا کہ جامِ گل میں رہا اشکِ شبنمی
کس جا رہے گی باغ میں سنبل کی برہمی
اچھا تو ہے کہ رنج کا ساماں نہ ہو سکے
مجمع وہ ہو کہ زلف پریشاں نہ ہو سکے

(۱۱)

واقف نہیں ہے نخل کوئی ظلِّ بوم سے
غنچوں کا سر گراں نہیں دورِ نجوم سے
پتّی کوئی ہلی نہیں بادِ سموم سے
پھولے نہیں سماتا گلوں کے ہجوم سے
پائے خزاں جگہ کسی جا کیا مجال ہے
غنچوں کے منہ سے بات نکلنی محال ہے

(۱۲)

لالہ کے دل کا داغ نہیں شمعِ طور ہے
سوسن ہے گو سیاہ مگر ابرِ نور ہے
نغمے ہیں بلبلوں کے کہ لحنِ زبور ہے
غنچوں میں ہے شمیم کہ محمل میں حور ہے
جنت بنا دیں سرحدِ دنیائے زشت کو
مٹھّی جو کھول دیں تو دکھا دیں بہشت کو

(۱۳)

پرتو ہے اس کی صبح کا تنویرِ یاسمن
شام اس کی ہے سوادِ دلِ نافۂ ختن
کیونکر نظیرِ باغِ جناں ہو نہ یہ چمن
نکہت ہے اس کی مدحِ ریاضِ ابوالحسنؑ
جیحوں سے اس کو کام نہ ہے رودِ نیل سے
سرسبز ہے امید مئے سلسبیل سے

(۱۴)

منت کشِ سحاب نہیں اس کے برگ و بار
دامن سے گر گیا جو کیا اوس نے نثار
نرگس کی آنکھ اٹھتی نہیں سوئے آبشار
سوسن زباں پہ لاتی نہیں حرفِ اضطرار
پھیرے ہے منہ کو خیمۂ نیلی طناب سے
کوسوں ہے دور جامِ مہ و آفتاب سے

(۱۵)

ہو خوفِ برق اُسے جسے ہو خواہشِ سحاب
رہتا ہے روز باغ میں سبزہ غریقِ خواب
میرے چمن کے آگے ہر اک بحر ہے سراب
کیا کم ہے اس کو اپنے گُلِ تر کی آب و تاب
بے آب رنگ آئے گا غنچوں میں، پھول میں
باقی ہے خوں ابھی مرے قلبِ ملول میں

(۱۶)

قطرہ گرے نہ لاکھ برس بھی تو کیا خطر
یوں ہی ہرے رہیں گے مرے باغ کے شجر
دامانِ شاہدانِ چمن کس لئے ہوں تر
حسنِ چمن کا آب رسانی میں ہے ضرر
ہدیہ ہے یہ نبیؐ کے نواسے کے واسطے
میں نے چمن لگایا ہے پیاسے کے واسطے

(۱۷)

حسنِ بہار ہے جو ہوں سوسن کے لب کبود
باقی رہے گا رنگ اُٹھے گا جو دل سے دود
ماتم کا ہو لباس تو سبزے کی ہو نمود
لالہ کی قدر کیا جو نہ ہو داغ کا وجود
کیا دور سوزِ دل سے کلی شمعِ طور ہو
پانی جو بند ہو تو رواں نہرِ نور ہو

(۱۸)

بے آب اک یہی چمنستاں نہیں ہرا
اس سے سوا نبیؐ کا چمن تھا ہرا بھرا
عالم پہ قحطِ آب کا ظاہر ہے ماجرا
راہیں بھی بند تھیں رہِ خالق کے ماورا
گھیرا تھا اس طرح سپہِ بد صفات نے
اس بوستاں کی راہ نہ پائی فرات نے

(۱۹)

رکھتا ہے وہ چمن یدِ قدرت کی صنعتیں
تھیں ہر ورق پہ مصحفِ زہراؑ کی آیتیں
اک عمر کی نبیؐ و علیؑ نے ریاضتیں
آئینۂ جہاں میں تب آئیں وہ صورتیں
مدت ہوئی بسے ہوئے اُن کو مزار میں
اب تک شمیم ہے چمنِ روزگار میں

(۲۰)

بُو اُن گلوں کی آج تک آتی ہے ہم تلک
تھے دہر میں تو جاتی تھی باغِ ارم تلک
صد برگ ہو کے خلق سے پہنچی عدم تلک
جس کا بہار نام ہے، تھی ان کے دم تلک
پنہاں ہوئی تو ساتھ لحد میں سما گئی
کچھ تھی وہ ان کی قبر کے پھولوں میں آ گئی

(۲۱)

بدلا مثالِ دورِ جہاں رنگِ آسماں
غربت نے کر دیا اُنہیں آفت کا میہماں
بُو کی طرح تباہ رہا گُل کا کارواں
لائی اُنہیں مدینہ سے تا کربلا خزاں
نکلے نہ آ کے رنج و بلا کے ہجوم سے
پژمردہ پھول ہو گئے بادِ سموم سے

(۲۲)

ہونے لگیں غموں کی لگاتار بارشیں
گردوں نے کیں ملال کے پردے میں کاوشیں
دم میں زمانہ بھر کی سمٹ آئیں کاہشیں
پوری ہوئیں وہ تھیں جو مقدر کی خواہشیں
جنت کے پھول دشت کے کانٹوں میں پڑ گئے
سارے نہال خون کے تھالوں میں گڑ گئے

(۲۳)

ماتم میں چاک چاک دلِ ناصبور ہے
آنکھوں کا بحرِ اشک سے مشکل عبور ہے
قلبِ تپاں سے صبر کی منزل بھی دور ہے
ذکر آ گیا ہے گر تو بیاں بھی ضرور ہے
جو کچھ گذر گیا وہ فسانہ طویل ہے
تھوڑا بیاں کروں گا کہ مہلت قلیل ہے

(۲۴)

گویائی جن میں تھی وہ بیاں کر چکے بہت
رازِ نہاں قلم سے عیاں کر چکے بہت
تزئینِ بزمِ شاہِ جہاں کر چکے بہت
میداں میں امتحانِ زباں کر چکے بہت
عاجز ہوئے بیاں سے تو روپوش ہوگئے
پوری ہوئی نہ بات کہ خاموش ہوگئے

(۲۵)

لاکھوں تھے لکھنے والے، زبانیں تھیں بے حساب
رات اور دن بڑھاتے رہے ماہ و آفتاب
دن کو نہ کام تھا کوئی، شب کو نہ شغلِ خواب
لکّھا کئے مصائبِ فرزندِ بوترابؑ
محدودِ غم جو تھے وہی درجِ کتاب تھے
باقی جو رہ گئے تھے وہی بے حساب تھے

(۲۶)

حدِّ ملال تک نہیں پہنچی کوئی نگاہ
سوجھی نہیں کسی کو جہاں میں ابھی یہ راہ
کشتیِ عمر ہوگئی اس بحر میں تباہ
آنکھیں سفید ہوگئیں دفتر ہوئے سیاہ
دیکھا تو ہر کلام میں باقی کلام تھا
عمریں تمام تھیں پہ سخن ناتمام تھا

(۲۷)

گذرے تھے جب زمانۂ ہجرت سے ساٹھ سال
پھیلا ہوا ہے تب سے یہ ذکرِ غم و ملال
پھولے پھلے خزاں ہوئے عالم کے نونہال
سو رنگ چرخ لا چکا، بدلے ہزار حال
بارش میں ایک طرح سے ہے چشمِ تر ابھی
بلبل جو اُس چمن کی تھی، ہے نوحہ گر ابھی

(۲۸)

ہر عہد میں رہا اِسی ماتم کا ذکر عام
دامانِ نظم و نثر کو بھرتا رہا کلام
گذرا جو ایک عہد، کیا دوسرے نے نام
کوچ ایک نے کیا تو کیا ایک نے مقام
حرفِ غلط بھی آ گیا آخر شمار میں
نام آ گیا مرا ورقِ روزگار میں

(۲۹)

طے ہوں گی مجھ سے کیا کہ یہ ہیں منزلیں کٹھن
پیشِ نظر ابھی تو ہے دیباچۂ سخن
نو مشق کو کبھی نہیں ملتا کمالِ فن
کیا کام ہو زباں سے جو کھلتا نہ ہو دہن
ساکت رہوں یہ ہمتِ قلبی سے دور ہے
گویا ہے گر زباں تو تکلّم ضرور ہے

(۳۰)

حرصِ ثنا نہیں مجھے اہلِ کلام سے
میرا نگیں وہ ہے جسے نفرت ہے نام سے
مستغنی المزاج ہوں ہر خاص و عام سے
ہاں دل غنی نہیں ہے تو کوثر کے جام سے
لب کھولتا ہوں میں تو اُسی کے خیال سے
طالب ہوں گر، تو ساقیِ کوثر کے لال سے

(۳۱)

خاکی ہوں میں سرشت کہاں مجھ میں نور کی
لائے دہن کہاں سے زباں شمعِ طور کی
ناقص ہوں میں، ہے طبع میں عادت قصور کی
سر میں جگہ نہیں ہے ہوائے غرور کی
حد سے کبھی قدم مرا آگے گیا نہیں
مثلِ غبار اُٹھ کے زمیں پر گرا نہیں

(۳۲)

ہر حرف زن کلام سے ہوتا نہیں کلیم
ہر اک گہر کا نام نہیں ہے دُرِ یتیم
ہر سمت کی ہوا کو نہیں کہتے ہیں نسیم
آتی نہیں کبھی گلِ تصویر سے شمیم
تر ہو کے خارِ دشت گلِ تر نہیں ہوا
چشمہ ہر ایک چشمۂ کوثر نہیں ہوا

(۳۳)

عالم کے نیک و بد میں نہیں مجھ کو امتیاز
گر حسن نظم میں ہو تو ہے شانِ کارساز
نازاں نہیں مگر مجھے ممدوح پر ہے ناز
شاید ہو مجھ سا پست بھی عالم میں سرفراز
مل جائے اوج اگر پسرِ بوترابؑ سے
اونچا ہو سر مرا کُلہِ آفتاب سے

(۳۴)

دیہیم کی ہوس ہے نہ ہے خواہشِ سریر
کس بادشہ کے تخت سے کم ہے مرا حصیر
خورشید سے سوا ہے جلالت میں یہ حقیر
ہے نورِ حبِّ آلؑ مری خاک کا خمیر
رنگت اُتار دوں گا میں شب ہائے تار کی
دن ہوں گے میرے جسم کے، راتیں مزار کی

(۳۵)

مانگا جو کچھ، ملا مجھے اِس خاندان سے
قبضہ میں آ گیا وہ جو نکلا زبان سے
مانگوں جو ہاتھ اُٹھا کے میں حیدرؑ کی جان سے
تارا بھی ٹوٹ آئے ابھی آسمان سے
بڑھتا رہے گا لطف مرے دستگیر کا
بھر دیں گے سلسبیل سے کاسہ فقیر کا

(۳۶)

دریائے فیض و جود ہے وہ قلزمِ کرم
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ دوزخ تو کیا ہے غم
ہم کو نہ ہوگا تشنگیِ حشر کا الم
پیاسے رہیں ہیں آپ، نہ پیاسے رہیں گے ہم
کی ہے دوا یہ شیعوں کے اعمالِ زشت کی
کانٹے زبان ہوگئے قیمت بہشت کی

(۳۷)

اللہ کیسی پیاس تھی ہے جس کی یہ جزا
کرتا ہے جس کے صبر پہ خود فخر کبریا
اس امتحاں کے تھے متحمل نہ انبیاؑ
کیا مطمئن تھا قلبِ جگر بندِ مصطفیؐ
گردوں سے جب بلا پہ بلا شہؑ پہ آتی تھی
ہر بار رنگِ رخ کی چمک بڑھتی جاتی تھی

(۳۸)

اُمّت کے ہاتھوں شاہؑ نے کیا کیا ستم اُٹھائے
لیکن دعائے بد، لبِ جاں بخش پر نہ لائے
مسلمؑ کے لختِ قلب و جگر خون میں نہائے
دنیا سے کوچ کر گئے بنتِ علیؑ کے جائے
جلتی زمیں پسند کی منہ سب سے موڑ کے
برباد ماں کا گھر کیا ماموں کو چھوڑ کے

(۳۹)

پھر پائمالِ ظلم ہوا رات کا بنا
ان کو بھی روئے رن میں شہنشاہِ کربلاؑ
بھائی کے ہجر نے تو الم اِس قدر دیا
سیدھی ہوئی نہ پھر کمرِ سبطِ مصطفیؐ
دل آتشِ ملال و مصیبت سے پھک گیا
پیری کے دن نہ تھے پہ قدِ راست جھک گیا

(۴۰)

غم سب سے بڑھ کے دے گیا فرزندِ نوجواں
نورِ نگہ کے ساتھ گئی جسم سے تواں
بعد ان کے جب شہید ہوا رن میں بے زباں
اٹھارہ داغ ایک جگر پر ہوئے عیاں
یہ سب اثر تھے قسمتِ بد کی بگاڑ کے
اُٹھ بیٹھے ننھی قبر پہ دامن کو جھاڑ کے

(۴۲)

تھا قلبِ شہؑ پہ سب سے سوا اِس پسر کا غم
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے سوئے قبر دم بدم
بیتاب ہو رہا تھا دلِ سرورِ اممؑ
عارض پہ بہہ کے آ رہے تھے اشکِ چشمِ نم
تھی کیفیت عجیب شہِؑ دیں پناہ کی
گر اضطراب حد کا بڑھا منہ سے آہ کی

(۴۳)

ہے کیا عجب جو کہتے ہوں یہ سرورِ ہدؑا
ان کو تو مجھ سے موت نے آکر کیا جدا
سیدانیوں سے جا کے میں لوں کس طرح رضا
پوچھیں گی گر ربابؑ انہیں میں کہوں گا کیا؟
جو کچھ گذر گیا وہ بتایا نہ جائے گا
گھر میں کبھی حجاب سے جایا نہ جائے گا

(۴۴)

دیکھیں گی گر ربابؑ تو پوچھیں گی یہ ضرور
رن سے اکیلے خیمہ میں آئیں ہیں کیوں حضور؟
بتلایئے تو ہو نہ تپاں قلبِ ناصبور
کس کا لہو جبیں پہ ہے اے کبریا کے نور؟
گھر میں ابھی تو روئی ہوں کڑیل جوان کو
مولاؑ نے کیا کیا چھ مہینے کی جانؑ کو؟

(۴۵)

ہجرِ پسر میں ہے دلِ بیتاب، بے قرار
خوں سے تمام سرخ ہے ریشِ خضاب دار
جلتی ہوئی زمیں پہ بنا آئے کیا مزار؟
گودی میں کیوں نہیں مرا فرزندِ شیرخوار؟
وہ دیکھتی ہوں جو مجھے قسمت دکھاتی ہے
اِس خوں سے میرے دودھ کی بو صاف آتی ہے

(۴۶)

حضرت تو اس خیال سے نالاں تھے دم بدم
ڈیوڑھی پہ سب یہ دیکھ رہے تھے اُدھر حرم
کہتی تھیں یہ ربابؑ سے زینبؑ بچشمِ نم
اصغرؑ سے بھی بچھڑ گئے دشتِ ستم میں ہم
رہنا تھا ناگوار جو دنیائے زشت میں
یہ بھی شہید ہو کے سدھارا بہشت میں

(۴۷)

اس غم میں آنسوؤں کا تھمے کس طرح سے تار
اصغرؑ کا داغ سخت ہے ہر دل پہ، میں نثار
ہم سب جب اُس کے ہجر سے ہیں حد کے بے قرار
تم کو تو زیست ہوئے گی اِس غم سے ناگوار
ظاہر ہے اضطرابِ جگر روئے زرد سے
کیونکر تھمیں گے اشک کلیجے کے درد سے

(۴۸)

لیکن میں صدقے جاؤں یہ ہے صبر کا مقام
بھائی سے کیجیئو نہ شکایت کے کچھ کلام
شرمندہ تم سے ہوں گے یوں ہی سرورِ انامؑ
ورنہ مکاں میں دشت سے آ جاتے اب امامؑ
سب پھر گئے ہیں سبطِ رسالت مآبؐ سے
گھر میں عجب نہیں جو نہ آئیں حجاب سے

(۴۹)

سن کر کیا ربابؑ نے زینبؑ سے یہ بیاں
کیا تاب لاؤں حرفِ شکایت جو تا زباں
ظاہر ہے مجھ پہ کیفیتِ سرورِؑ جہاں
پانی کا مانگنا بھی ہوا فوج پر گراں
اعدائے دیں کو دہشتِ روزِ جزا نہ تھی
رن میں سوالِ آب تھا کوئی خطا نہ تھی

(۵۰)

اس میں امامِؑ وقت کی ہے کون سی خطا
ظاہر سپہ سے کر رہے تھے دل کا مدعا
ناوک گلے پہ آ کے جو معصومؑ کے لگا
اک آہ کرکے بیٹھ گئے شاہِ کربلاؑ
آرام جب ملا نہ دلِ پاش پاش کو
مقتل میں روئے سینے سے لپٹا کے لاش کو

(۵۱)

بچّے کو پیاس تھی تو اذیت اُنہیں بھی تھی
عاشق پدر کے یہ تھے تو الفت اُنہیں بھی تھی
دنیا میں دودھ بڑھنے کی حسرت اُنہیں بھی تھی
اصغرؑ سے میری طرح محبت اُنہیں بھی تھی
روتے تھے شہؑ زمیں پہ بناکر مزار کو
ٹکڑا جگر کا جانتے تھے شیرؑخوار کو

(۵۲)

الفت تھی دو صغیروں سے شہؑ کو زیادہ تر
اُن دو میں ایک لڑکی ہے اور ایک تھا پسر
اصغرؑ تو باپ ماں کو گئے رن میں چھوڑ کر
زندہ رکھے سکینہؑ کو خلاّقِ بحر و بر
یہ گھر امامِؑ وقت کو پیارا اِسی سے ہے
دونوں کی زندگی کا سہارا اِسی سے ہے

(۵۳)

اکثر کہا یہ کرتے ہیں سردارِؑ دو جہاں
آتا نہیں پسند کبھی وہ مجھے مکاں
جس میں نہ یہ ہو اور نہ مری لاڈلی کی ماں
میں کس زباں سے ان کی محبت کروں بیاں
آتے ہیں یہ بھی شاہِؑ مدینہ کو دیکھ کر
ہنس دیتے ہیں امامؑ، سکینہؑ کو دیکھ کر

(۵۴)

حیراں ہوں میں بھی دیر کا باعث ہوا ہے کیا
کیوں رن سے گھر میں آئے نہ اب تک شہِؑ ہدا
منظورِ طبع ہو جو مری عرض، میں فدا
فضّہؑ کو حکم دیجئے اے بنتِ مصطفیؐ
عرصہ بہت ہوا شہِؑ گردوں پناہ کو
ڈیوڑھی پہ جا کے رن سے بلا لائے شاہؑ کو

(۵۵)

جب آ چکا پسند یہ زینبؑ کو مشورہ
فضّہؑ کو حکم، شہؑ کے بلا لانے کا دیا
تا در جب آئی عاشقِ شاہنشہِ ہُدؑا
پردے سے منہ نکال کے یہ شہؑ کو دی صدا
تنہائی کا ملال غریب الوطن پہ ہے
دشوار ہجر بھائی کا گھر میں بہن پہ ہے

(۵۶)

بیت الشّرف میں آیئے اب رن سے میں نثار
سیدانیوں کے غم سے کلیجے ہیں بے قرار
ہمشیرِ شاہؑ ہے صفتِ شمع اشکبار
تڑپا رہا ہے بالی سکینہؑ کو انتظار
دیکھا نہیں جو دیر سے خیمہ میں آپ کو
ضد ماں سے ہے کہ ڈھونڈھنے نکلوں گی باپ کو

(۵۷)

تڑپا رہی تھی قلب کو گو غم کی انتہا
گھر میں چلے بجبر پہ سلطانِ کربلاؑ
آئے مکاں میں جب تو یہ ہمشیر سے کہا
اصغرؑ بھی ہم کو چھوڑ گئے وا مصیبتا
جنگل میں شیرخوار جہاں سے گذر گیا
بچہ ہمارا ہچکیاں لے لے کے مر گیا

(۵۸)

اصغرؑ کی ماں کو آ کے میں کیا اپنا منہ دکھاؤں
کوئی نہ سن سکے گا اگر حالِ دل سناؤں
اعدا بلا رہے ہیں نہ کس طرح مرنے جاؤں
میرا بھی سر جدا ہو تو غم سے نجات پاؤں
آلام و رنج بڑھتے ہیں دنیائے زشت میں
راحت بشر کو ملتی ہے باغِ بہشت میں

(۵۹)

گو ہوگا سب پہ ہجر مرا شاق بے گماں
لیکن ہے جائے صبر کہ ہے وقتِ امتحاں
خوشنودیٔ خدا رہے مطلوبِ ہر زماں
عشرت کی طرح سے نہ رہے گا غمِ جہاں
پچھتائے گا فلک بھی مصیبت میں ڈال کے
باقی یہ چاردن نہ رہیں گے ملال کے

(۶۰)

دانستہ کھوئے صبر کی دولت کو کیوں بشر
دیتا ہے جس کا اجر خداوندِ بحر و بر
دنیا تو ہے ہر اک کے لئے جائے رہ گذر
ہوگا سرائے دہر سے ایک ایک کا سفر
دل چاہیئے ملال کے سہنے کے واسطے
کون اِس جگہ پہ آیا ہے رہنے کے واسطے

(۶۱)

جب یہ مقامِ رنج نہیں عافیت سرا
پھر کیوں کروں میں ترک جہاں میں رہِ رضا
ہوگا مرا ضرر، نہ کٹے گا اگر گلا
اک دن قضا ضرور ہے، گر بچ گیا تو کیا
کیا جور وظلمِ موت نہیں سر نوشت میں
کب تک رہوں گا سرحدِ دنیائے زشت میں

(۶۲)

مرنا ہے جب ضرور تو بہتر ہے یہ مقام
پائے گا آج اجرِ شہادت یہ تشنہ کام
جب وقتِ ذبح چل چکے گی حلق پر حسام
لوں گا خدا سے تاجِ شفاعت میں لا کلام
میرے سبب سے حق نے شفاعت قبول کی
ناجی ہوئی اب آج سے امت رسولؐ کی

(۶۳)

اس امرِ خاص میں تھا فقط میرے سر سے کام
پر میرے دوست میرے سبب سے ہوئے تمام
جنت میں ہر عزیز نے جا کر کیا مقام
ڈھونڈھوں میں لاکھ پر نہ ملیں گے وہ نیک نام
اس دشت میں پڑی ہوئی میری کمائی ہے
مجھ کو ہر اک نے چھوڑ کے جنت بسائی ہے

(۶۴)

قاسمؑ ہیں اب نہ عونؑ و محمدؑ سے گلعذار
آرام میں ہیں نہر پہ عباسِؑ نامدار
برچھی ستم کی ہو چکی اکبرؑ کے دل کے پار
ناوک گلے پہ کھا کے ہوا ذبح شیرخوار
سب کٹ چکی سپاہ غریب الدّیار کی
آیا ہوں میں بنا کے لحد شیرخوارؑ کی

(۶۵)

ان سب کے بعد کچھ نہیں اب لطفِ زندگی
رہنا یہاں پسند کروں گا نہ میں کبھی
میں کیا بیاں کروں کہ جو حالت ہے قلب کی
جلدی مرے گلے پہ رواں ہو کہیں چھری
شوقِ لقائے حق ہے ہر اک سے میں کیا ملوں
تعجیل ہے کہ قافلے والوں سے جا ملوں

(۶۶)

جلدی بس اے بہن مجھے دو رخصتِ وغا
آمادۂ نبرد ہے افواجِ اشقیا
دے میرے غم میں صبر و تحمل تمہیں خدا
ممکن جو ہو سکے تو نہ کرنا بہت بکا
غم میرے بعد ہوگا دلِ پاش پاش پر
رونے نہ دے گا کوئی تمہیں میری لاش پر

(۶۷)

بھائی کا جب بہن نے سنا اِس طرح بیاں
دل کی ہجوم غم سے بڑھیں بے قراریاں
رُخ پر خیالِ ہجر سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگیں یہ زینبؑ ناشاد و خستہ جاں
ہمشیر اپنے بھائی کو ہاتھوں سے کھوئے گی
کیا آپ کو بھی عالمِ غربت میں روئے گی

(۶۸)

پردیس میں بہن کا ہے اب کون پردہ دار
سب کے گلے پہ چل چکی تیغِ ستم کی دھار
قاسمؑ ہیں اور نہ اکبرؑ و عباسِؑ ذی وقار
مقتل میں ذبح ہوگیا اصغرؑ سا گلعذار
غم سب کے ہجر کا ہے دلِ دردناک پر
گودی میں جو پلے تھے وہ سوتے ہیں خاک پر

(۶۹)

تھا یہ خیال صبح سے اے شاہِؑ خوش خصال
جاں دے ہر ایک آپ پہ مر کر دمِ جدال
اکبرؑ ہوں قتل دشت میں، قاسمؑ ہوں پائمال
زندہ مگر جہاں میں رہے فاطمہؑ کا لال
صورت ملال و رنج سے نکلے تو چین کی
صدقے سے رد بلا ہو شہِؑ مشرقین کی

(۷۰)

لیکن نہ ہو سکی کوئی تدبیر کارگر
جس امر کا تھا خوف وہی آ گیا نظر
اپنا بھی سر کٹانے کو ہیں شاہِؑ بحر و بر
اب کون لے گا دشت میں ناشاد کی خبر
بھائی کو بھی میں کھوؤں گی دنیائے زشت میں
لکھّی ہوئی ہے قید مری سرنوشت میں

(۷۱)

یہ سب مصیبتیں تو ہیں اے فاطمہؑ کے لال
لیکن بہن کو آپ کے وعدہ کا ہے خیال
یہ چاہتی نہیں کہ ہو حضرت کو انفعال
وہ امر کیجئے رہے خوش جس سے ذوالجلال
حاضر ہے دل بہن کا مصیبت کے واسطے
سر دیجئے شفاعتِ امّت کے واسطے

(۷۲)

یہ کہہ کے بنتِ فاطمہؑ روئیں جو زار زار
زینبؑ کے ساتھ گھر میں ہوئے شہؑ بھی اشکبار
بھائی بہن کی رخصتِ آخر ہے یادگار
دونوں کے دل ہیں صدمۂ فرقت سے بے قرار
آنکھوں سے اشک چاند سے چہرے پہ آئے ہیں
یہ رو رہی ہیں، شاہؑ گلے سے لگائے ہیں

(۷۳)

ناموسِ مصطفیؐ نے جو دیکھا یہ ماجرا
زینبؑ کے ساتھ شاہؑ بھی ہیں مائلِ بکا
یہ دیکھ کر کسی سے تحمّل نہ ہوسکا
سب دفعتاً جو روئے تو محشر ہوا بپا
آوازِ نالہائے حرم تا فلک گئی
گودی میں ماں کی بالی سکینہؑ بلک گئی

(۷۴)

کہنے لگی یہ ماں سے وہ ناشاد و دل فگار
رونے کی اہلبیتِ نبیؐ میں ہے کیوں پکار
کس کی مفارقت سے کلیجے ہیں بے قرار
اکبرؑ کی لاش لائے ہیں کیا شاہِؑ نامدار
جان اس ملال و رنج و مصیبت سے کھوؤں گی
میں بھی جوان بھائی کو پھر چل کے روؤں گی

(۷۵)

دل پر پھوپھی کے شاق تھا ہجرِ جواں پسر
گھر میں عجب نہیں جو وہ روتی ہوں لاش پر
یہ سن کے بولی بیٹی سے ماں سوختہ جگر
آیا نہ ہوگا لختِ دلِ شاہِؑ بحر و بر
رن کی زمیں ملی ہے تنِ پاش پاش کو
مہلت کہاں اب اتنی جو لائیں وہ لاش کو

(۷۶)

بی بی یہ گھر میں ہے سببِ گریہ و بکا
آئے ہیں سب سے ملنے کو سلطانِ کربلاؑ
پاؤ گی پھر نہ باپ کو دنیا میں میں فدا
ہونے کو ہیں پھوپھی سے کوئی آن میں جدا
مہمان دم کا ابنِ جنابِ امیرؑ ہے
بابا کو دیکھ لو کہ یہ صحبت اخیر ہے

(۷۷)

سنتے ہی اس بیاں کے ہوا قلب بے قرار
ماں کے گلے لپٹ کے یہ بولی وہ غمگسار
کہیئے گا یہ پدر سے اگر ہو نہ ناگوار
چھوٹی پدر سے گر تو یہ دے دے گی جانِ زار
خود اپنی زندگی کا سہارا نہیں اِسے
دم بھر پدر کا ہجر گوارا نہیں اِسے

(۷۸)

بیٹی کا یہ ربابؑ نے جس دم سنا بیاں
بولیں دلاسا دے کے نہ گھبراؤ میری جاں
چلتی ہوں تم کو لے کے سوئے شاہِؑ انس و جاں
تڑپو نہ میری گود میں قربان جائے ماں
آنسو بہانا سیّدِ والاؑ کے سامنے
بی بی ضدیں یہ کیجیو بابا کے سامنے

(۷۹)

لائیں غرض یہ کہتی ہوئی جب قریبِ شاہؑ
کی عرض یہ ربابؑ نے اے فاطمہؑ کے ماہؑ
حضرت تو سر کٹانے کو جاتے ہیں آہ آہ
سنبھلے گی کس سے بنتِ شہنشاہِ دیں پناہؑ
تڑپے گی میری گود میں بابا سے چھوٹ کر
جینے کی یہ نہیں شہِؑ والا سے چھوٹ کر

(۸۰)

اچھا نہیں کسی کو مصیبت میں ڈالنا
جب میں نہ ہوں تو قلب کی حسرت نکالنا
مشکل ہے اِس کے رونے سے دل کا سنبھالنا
دشوار ہے ہلی ہوئی بچّی کا پالنا
راتوں کو جب نہ پائے گی جنگل میں آپ کو
اُٹھ اُٹھ کے میری گود سے ڈھونڈے گی آپ کو

(۸۱)

مضطر ہیں اِس خیال سے میرے دل و جگر
ننھا سا دل اُٹھا نہ سکے گا غمِ پدر
عادت ہے صدرِ شاہؑ پہ سونے کی رات بھر
لڑکی کی کون لے گا سرِ شام سے خبر
مولاؑ تو دشتِ ظلم میں سوئیں گے چین سے
میں تا بہ صبح روؤں گی بچّی کے بین سے

(۸۲)

مجھ سے سنی نہ جائے گی حسرت بھری فغاں
کرتے سے منہ چھپا کے کرے گی جو یہ بیاں
مقتل سے اب نہ آئیں گے کیا سرورِ زماں
امّاں ہمارے پوچھنے والے گئے کہاں
صدمہ مفارقت کا کلیجے پہ دے گئے
بابا جہاں گئے تھے ہمیں کیوں نہ لے گئے

(۸۳)

جس دم امامِ دیںؑ نے سکینہؑ پہ کی نظر
دیکھی وہ کیفیت کہ تڑپنے لگا جگر
گودی میں ماں کی روتی ہے نیوڑھائے اپنا سر
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِؑ بحر و بر
منہ آنسوؤں سے رنج و مصیبت میں دھو چکیں
آؤ ہماری گود میں، ماں پاس رو چکیں

(۸۴)

تم ہو نہ بے قرار تو آرام ہم بھی پائیں
رنج و ملال و غم، جگر و دل کو کیوں ستائیں
کیوں کُڑھ رہی ہو، آؤ گلے سے تمہیں لگائیں
غم ہو اگر چچا کا تو ہم ڈھونڈھنے کو جائیں
چھوڑا پدر کو دشت میں منہ سب سے موڑ کے
رن میں چچا کدھر گئے بی بیؑ کو چھوڑ کے

(۸۵)

دیکھی جو یہ محبتِ سلطانِؑ حق شناس
چہرہ خوشی سے سرخ ہوا، مٹ گیا ہراس
وہ ہو گیا بحال، جو دل تھا اُداس اُداس
گودی سے ماں کی آئی یہ کہہ کر پدر کے پاس
سنتی ہوں دل میں قصد کہیں کے سفر کا ہے
بابا بتایئے کہ ارادہ کدھر کا ہے

(۸۶)

ماتھے کو چوم کر یہ کیا شاہؑ نے بیاں
بی بی تمہیں سناؤں میں کیا غم کی داستاں
پیری میں ہم کو چھوڑ کے اکبرؑ گئے جہاں
جانے کو ہے وہیں پہ یہ ناشاد و خستہ جاں
ہم سے ہمارا گیسوؤں والا بچھڑ گیا
بابا سے رن میں گود کا پالا بچھڑ گیا

(۸۷)

قلبِ حزیں پہ فرقتِ اکبرؑ ہے ناگوار
گھبرا رہی ہے دیر سے سینے میں جانِ زار
آتا نہیں جگر کو کسی طرح سے قرار
دو تم بھی اذن باپ کو بی بیؑ، پدر نثار
ہوتے نہیں تپاں دلِ صابر کسی طرح
رکتے نہیں عدم کے مسافر کسی طرح

(۸۸)

گر ہم نہ ہوں گے عالمِ فانی میں میری جاں
سینے سے اپنے تم کو لگائے رہے گی ماں
بابا کو یاد کرکے نہ ہونا بہت تپاں
رن میں کہیں نہ دیں تمہیں غدّار گھڑکیاں
ضد کیجئیو نہ لاش تک آنے کے واسطے
ہم دشت میں نہ ہوں گے بچانے کے واسطے

(۸۹)

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ کربلاؑ
گودی میں ماں کی دے کے سکینہؑ کو یہ کہا
اک آرزو میں رکھتا ہوں اے غم کی مبتلا
تم اس کی رکھنا فکر، ہمیں آئے گر قضا
مقتل میں دور رکھنا تنِ پاش پاش سے
آکر نہ وقتِ ذبح لپٹ جائے لاش سے

(۹۰)

ہے پرورش کا اس کی اگر کچھ تمہیں خیال
آساں کرے گا سب یہ خداوندِ ذوالجلال
میں ذبح ہوں کہ دشتِ ستم میں ہوں پائمال
تم بھی نہ کھولنا مرے ماتم میں سر کے بال
بڑھنے سے رنج وغم کے ہراساں نہ ہو کبھی
انسان مشکلوں میں پریشاں نہ ہو کبھی

(۹۱)

کی عرض یہ ربابؑ نے شہؑ سے بچشمِ تر
بہتر ہی ہے جو حکمِ شہنشاہؑ بحر و بر
اِس غم کا تا بہ زیست رہے گا مگر اثر
رویا کروں گی آپ کو خلوت میں بیٹھ کر
ارماں خیالِ شہؑ میں نکل جائے گا مرا
رونے سے قلبِ زار بہل جائے گا مرا

(۹۲)

سن کر بیاں ربابؑ کا دل پر رہی نہ تاب
روتا ہوا چلا سوئے در ابنِ بوترابؑ
تھے پیچھے پیچھے آلِ نبیؐ با صد اضطراب
ڈیوڑھی تک آئے شہؑ تو یہ کہنے لگیں ربابؑ
دم بھر ٹھہر کے دل مرا تڑپا کے جایئے
تعبیر خواب کی مجھے بتلا کے جایئے

(۹۳)

مڑ کر کہا یہ سرورِؑ دیں نے کرو بیاں
کی عرض یہ ربابؑ نے با نالہ و فغاں
دم بھر لگی جو آنکھ مری، اے شہِؑ زماں!
کیا دیکھتی ہوں میں کہ ہے بحر اک طرف رواں
اک طرح ہے عمیق وہ، پستی میں اوج میں
ہر دل کی، اضطراب کی صورت ہے، موج میں

(۹۴)

تھا گو وہ بحر باعثِ تقویتِ جگر
لیکن عجیب کیفیت آئی مجھے نظر
یکبارگی ہوا سگِ ابلق کا واں گذر
باہر زباں تھی منہ کے، یہ تھا پیاس کا اثر
یہ تشنگی سے حال تھا موذی کی جان کا
تڑپا رہا تھا قلب کو چھالا زبان کا

(۹۵)

تھا تشنہ لب تو پانی پہ آکر وہ گر پڑا
کس قہر کی وہ پیاس تھی جس کا اثر یہ تھا
باقی نہ اتنے بحر میں قطرہ کوئی رہا
پانی وہ ایک سانس میں دریا کا پی گیا
اس کیفیت سے قلب تعجب میں آ گیا
سارا وہ بحر ایک شکم میں سما گیا

(۹۵)

یہ کیفیت ہوئی جو مرے قلب پر عیاں
کیا اپنے اضطراب کی حالت کروں بیاں
پانی کا جب نہ نام کو باقی رہا نشاں
دل کی طرح تڑپنے لگیں ساری مچھلیاں
آرام مجھ کو خواب میں نایاب ہوگیا
تڑپی کچھ اس طرح کہ جگر آب ہوگیا

(۹۷)

روئی یہ حال دیکھ کے جب میں میانِ خواب
گھبرا کے آنکھ کھل گئی اے ابنِ بوترابؑ
لیکن ابھی تلک ہے وہی دل کو اضطراب
چین آئے کچھ کہیں جو شہِؑ آسماں جناب
راحت نہ یوں ملے گی مجھے اضطراب سے
شاید سکونِ قلب ہو تعبیرِ خواب سے

(۹۸)

کہنے لگے یہ سن کے شہِ آسماں جنابؑ
تعبیر سے کچھ اور سوا ہوگا اضطراب
دریا نظر جو آیا ہے تم کو میانِ خواب
وہ بحرِ بے کنار ہوں میں، اے جگر کباب
ہر موج ضو فگن ہے سوا شمعِ طور سے
پیدا کیا ہے حق نے اُسے اپنے نور سے

(۹۹)

دیکھا ہے تم نے جو سگِ ابلق زبوں خصال
پہچان لو اُسے کہ وہ ہے شمرِ بد مآل
جن مچھلیوں کا بحر کے غم میں برا ہے حال
آگاہ ہو وہ سب ہے رسولِؐ خدا کی آلؑ
کوکب خوشی کا غم کی سیاہی میں آئے گا
ہر رانڈ کا جہاز تباہی میں آئے گا

(۱۰۰)

یہ خواب دے رہا ہے میرے قتل کی خبر
خنجر سے سر کرے گا جدا شمرِ بد گہر
ہو جاؤں گا جو ذبح میں ناشاد و نوحہ گر
غدّار تم سبھوں کو پھرائیں گے در بدر
سر ننگے مصطفیٰؐ کے حرم رن سے جائیں گے
سب اک جگہ پہ بیٹھ کے رونے نہ پائیں گے

(۱۰۱)

تعبیر خواب کہہ چکا جب کبریا کا نور
چپ ہو گئیں ربابؑ، بڑھے سرورِ غیورؑ
ڈیوڑھی تک آ چکے تھے نہ تھا در جو شہؑ سے دور
کی عرض اُٹھ کے پردے نے باہر چلیں حضور
حکمِ امامِ عصرؑ پہ ہوں جاں دیئے ہوئے
سر پر چلوں میں دھوپ میں سایہ کئے ہوئے

(۱۰۲)

باہر نکل کے آپ نے مڑ کر کہا نہیں
ہم دھوپ ہی میں جائیں گے سوئے سپاہِ کیں
یہ کہہ کے ذوالجناح تک آئے شہِؑ مبیں
دیکھا فرس نے بھی جو سوئے بادشاہؑ دیں
دل دیدِ شہؑ سے خوش ہوا دوری کے غم گئے
جو گر رہے تھے اشک زمیں پر، وہ تھم گئے

(۱۰۳)

اللہ رے لطف و مرحمتِ خسرّوِ مبیں
روتا اُسے جو دیکھ لیا دل ہوا حزیں
قربِ فرس تو آ چکے تھے بادشاہِ دیںؑ
مولاؑ نے باگ ہاتھ میں لی چوم کر جبیں
جلوہ کیا سمند پہ زہراؑ کے پھول نے
پایا پھر اوج راکبِ دوشِ رسولؐ نے

(۱۰۴)

اب کیا تھا بادِ تند جہاں تھا، فرس نہ تھا
مولاؑ ہوئے سوار یہ رن کی طرف چلا
اُٹھّی قدم کو چوم کے گیتی سے گردِ پا
آگے چلے غبار ہٹاتے ہوئے ہوا
موقع نہ تھا جو دشت وغا میں درنگ کا
دم بھر میں صاف کردیا میدان جنگ کا

(۱۰۵)

اللہ رے ذوالجناحِ شہِؑ دیں کی شوخیاں
بالائے خاک پاؤں کا رکھنا بھی تھا گراں
سُم کا نہ تھا جو صفحۂ گیتی پہ کچھ نشاں
حیرت سے دیکھتی تھی زمیں سوئے آسماں
فکر اس کی تھی ہوا کی بھی تیزی سے بڑھ گیا
کیا چرخ پر غبار کے پردے میں چڑھ گیا

(۱۰۶)

جس دل میں اس کی فکر ہو اس سے نہاں نہیں
اِس کی سبک روی تو کسی پر گراں نہیں
خود اس کے سائے پر بھی یہ سرعت عیاں نہیں
معلوم ہی نہ تھا کہ کہاں ہے کہاں نہیں
جنگل میں تخمِ مزرعِ سرعت کو بو گیا
اللہ ری نازکی کہ ہوا بن کے سو گیا

(۱۰۷)

بے اختیار بھی تھا روانی پہ بس بھی تھا
آزاد بھی تھا قیدیِ دامِ قفس بھی تھا
تلوار کی طرح خمِ ابرو میں کس بھی تھا
جادو کی چال بھی تھی، مسیحا نفس بھی تھا
اعجاز رن کی دھوپ میں طُرفہ دکھا گیا
دو گام چل کے سائے کو اپنے جلا گیا

(۱۰۸)

اس کے گراں قدم سے بھی حیرت میں تھی ہوا
ملتا ہوا خرام نسیمِ سحر سے تھا
گل ہو گیا قدم سے جو غنچہ کوئی دبا
بر لائی اس کی چال کسی دل کا مدعا
بدلا الم سرور سے قلبِ ملول نے
گھوڑے کے پاؤں چوم لئے کھل کے پھول نے

(۱۰۹)

کس سے بیاں فرس کی ہوں معجز نمائیاں
ہو مثلِ آسیا جو کبھی دشت میں رواں
کاوے کا آپ اپنے اگر لے یہ امتحاں
گردش زمین کھانے لگے، شکلِ آسماں
رنگِ جہاں فرس کی روانی سے اور ہو
ذرّوں کا آج صورتِ سیّارہ دور ہو

(۱۱۰)

اس کی روانیوں کی ہے دہشت کہاں کہاں
مرضی پہ اس کی رنگ بدلتا ہے آسماں
ہے بھی تو یوں ہے گردشِ سیّارگاں عیاں
گر یہ تھمے تھمیں، جو رواں ہو تو ہو رواں
اسرار وہ نہاں میں نہیں جو عیاں میں (ہیں)
وابستہ اس کی چال سے ہر اک جہاں میں (ہیں)

(۱۱۱)

گردوں پہ ہے جو مہرِ رواں ہمرہِ رکاب
جائے کہیں جو یہ سوئے خیمہ بصد شتاب
ہو شرق میں رواں عوضِ غرب آفتاب
پلٹے اگر سمند تو آ جائے انقلاب
اس حد پہ اُلٹی گردشِ دورِ سپہر ہو
گردوں پہ ماہ، زیرِ زمیں روئے مہر ہو

(۱۱۲)

سرعت سے اس کی دنگ نہ کس طرح ہوں ملک
پاتے نہیں نشانِ فرس رن میں مر دمک
آہستگی سے یوں نہ پہنچتا ہے چرخ تک
شعلے کا جس طرح سے دھواں جائے تا فلک
ذہن اس کے ساتھ جا نہ سکا یہ جہاں گیا
ظاہر بھی یہ ہوا نہ، کہاں سے کہاں گیا

(۱۱۳)

گر غور کیجئے تو نظر کو ملے نشاں
قبضہ کئے فلک پہ ہے، گیتی پہ ہے رواں
ہے محوِ دیدِ اسپ جو جھک جھک کے آسماں
آئینۂ سپہر میں عکس اس کا ہے عیاں
ہے ذہن کی طرح سے عیاں مردمک پہ بھی
دیکھو فرس زمین پہ بھی ہے، فلک پہ بھی

(۱۱۴)

ایسا سمند کیوں نہ جہاں میں ہو بے مثال
ہر چیز میں ہوا کی طرح ہے خلا محال
ہوگا ذرا سی فکر میں سب منکشف یہ حال
دیکھو تو اس طریق سے دیکھو فرس کی چال
سب کیفیت کہے گا تصور، کہیں یہ ہو
دیکھو نظر اٹھا کے جہاں پر، وہیں یہ ہو

(۱۱۵)

ہٹ جائے گر ذرا بھی تصور دمِ بیاں
پائے نہ پھر زمین سے تا آسماں نشاں
آئے نظر وجود و عدم اس کا ایک ساں
دیکھے جہاں نگاہ، وہیں پر ہو یہ نہاں
آساں محال ہو اِسے مشکل میں دیکھ لو
بند آنکھیں کرکے آئینہ دل میں دیکھو لو

(۱۱۶)

حیرت بڑھے نہ کیوں دمِ رفتارِ راہوار
ظاہر میں ہے چھپا ہوا باطن میں آشکار
یوں جا رہا ہے یہ سوئے میدانِ کارزار
جس طرح درد کی ہو چمک دل میں بار بار
خود اس کی اُس سے چھپ نہیں سکتی خبر کبھی
گر چاہو دیکھنا تو نہ آئے نظر کبھی

(۱۱۷)

ملتا نہ ذوالجناح کا رن میں نشاں کہیں
لیکن بتا رہی ہے لرزتی ہوئی زمیں
گو انتظارِ اسپ میں ہے فوجِ اہلِ کیں
آنکھیں لڑی ہوئیں ہیں پہ ظاہر خبر نہیں
بیتابیوں سے ہوش میں کوئی جواں نہیں
بتلا رہے ہیں دل کہ یہاں ہے وہاں نہیں

(۱۱۸)

ہٹ جائے گرد اگر تو کھلے حالِ راہوار
شوخی سے ہے جو خاک کے پردے میں بے قرار
ہوتی ہے یوں چمک سی نمایاں (پسِ) غبار
بجلی ہو جس طرح سے تہہِ ابر آشکار
حیرت میں، اضطراب میں فوجِ عدو رہے
گر دیکھ بھی لیا تو وہی جستجو رہے

(۱۱۹)

حیرت میں اس کی چال سے تھا لشکرِ گراں
سم کے زمینِ دشت پہ ملتے نہ تھے نشاں
گیتی سے چھپ کے تھا جو رواں سوئے آسماں
ضو جلد کی غبار کے پردے سے تھی عیاں
اُڑتا تھا ہوش سر سے ہر اک شیخ و شاب کا
دھوکا تھا اسپ خاک پہ، برق و سحاب کا

(۱۲۰)

قربِ سپاہ روک نہ لیتے جو شاہدینؑ
ہٹتی نہ گردِ راہ، نہ آتا نظر کہیں
گھوڑے پہ دفعتاً جو پڑی چشمِ اہلِ کیں
گھبرا کے دل پکار اُٹھے لو وہ ہے یہیں
آیا ہے سامنے سے یہ گھوڑا کہ پھیر کے
آنکھوں کو اشتیاق اسی کا تھا دیر سے

(۱۲۱)

جب گرد ہٹ گئی تو ملا اسپ کا نشاں
تھی خاک، جس کو ابر سمجھتے تھے دیدباں
دھوکا زمینِ دشت کا دیتا تھا آسماں
تھی دامنِ غبار میں بجلی خدا کی شاں
تھے جو تنق نشاں وہ زمیں کے طبق کے تھے
جو بوندیاں گریں تھیں، وہ قطرے عرق کے تھے

(۱۲۲)

رفتارِ اسپِ شہؑ سے تحیّر میں تھی سپاہ
ظاہر ہوا فرس تو کھلی خوفِ دل کی راہ
پھیلے ہوئے غبار نے رن کردیا سیاہ
گھبرا کے قلبِ تنگ سے نکلی لبوں تک آہ
طُرفہ اثر یہ گردشِ قسمت دکھا گئی
ہر دل میں بے لڑے ہوئے دہشت سما گئی

(۱۲۳)

اک دوسرے سے مڑ کے یہ کہتا تھا بار بار
اچھی نہیں ہے کیفیتِ دشتِ کارزار
رن بولنے سے قلب کو ہوتا ہے انتشار
آنکھیں دکھا رہا ہے ہر اک ذرّۂ غبار
ہلتی تھی دل کی طرح زمیں رزم گاہ کی
ظاہر تھا ہر بگولے سے، گیتی نے آہ کی

(۱۲۴)

آفت کرے گی دشت میں گھوڑے کی جست وخیز
دم بھر میں گرم ہوئے گا ہنگامۂ ستیز
ہے خوفناک بن صفتِ دشتِ رست خیز
رن سے قدم اُٹھا رہی ہے بادِ تند و تیز
اچھے نہیں ہیں غم دلِ اندوہناک کے
گھیرا ہے ہر طرف سے بگولوں نے خاک کے

(۱۲۵)

موت اپنی گر پسند نہ کرتے شہِ زماںؑ
ہوتا تباہ دشت میں کُل لشکرِ گراں
مانندِ قومِ عاد نہ ملتا کہیں نشاں
بربادیِ سپاہ کو کافی تھیں آندھیاں
رن میں بلند ہو کے گری یا فنا ہوئی
فوجِ ستم کا حال نہ کھلتا تھا کیا ہوئی

(۱۲۶)

باعث یہی تو تھا جو تھمی، دشت میں ہوا
کچھ دیر میں حواسِ سپہ جب ہوئے بجا
مشغولِ جنگ اُدھر تو ہوئے بانیِ جفا
گھوڑے نے ہنہنا کے تخاطب اِدھر کیا
تم سب سے شوق جنگ و جدل کا مزید ہے
یہ وہ سوار ہے جو وحید و فرید ہے

(۱۲۷)

کرتا ہوں تم کو شہؑ کے ارادے سے ہوشیار
دم بھر میں ہوگا وقتِ وغا حشر آشکار
آیا نہیں ہے اور کوئی وقتِ گیر و دار
ہے آج یہ نبیؐ کے نواسے کی کارزار
کس کس کو دشتِ جنگ میں شوقِ نبرد ہے
نکلی ہے جس کے گھر سے شجاعت، وہ مرد ہے

(۱۲۸)

پنہاں نہیں ہے اِن کے گھرانے کی صفدری
ایسے ابھی تلک تو نہ پیدا ہوئے جری
یوں اِس جہاں میں دے گئے دادِ غضنفری
کندہ ہے سطحِ خاک پہ نقشِ دلاوری
(دھبّے لہو کے تیغ کی ہر آستیں میں ہیں
ہے دھاک اِن کی دہر میں، گو خود زمیں میں ہیں)

(۱۲۹)

اجداد اِن کے سب تھے دلیری میں نیک نام
تین ان میں پر جری ہوئے مشہورِ خاص و عام
مثل اُن کا اِس جہاں میں نہ اب ہوگا لا کلام
تلوار کی زباں پہ ہے جاری ہر اک کا نام
چلنے سے ہوتی ہے جو کمی دل کے درد میں
تیغیں اُنہیں پکارتی ہیں ہر نبرد میں

(۱۳۰)

ہیں اُن میں پہلے حضرتِ حمزہؑ فلک مقام
جو تھے جہاں میں جدِّ شہنشاہِ تشنہؑ کام
جن کا کبھی ہٹا نہ دمِ جنگ ایک گام
خونِ عدو میں غرق رہا کرتی تھی حسام
گیتی اُحد کی جنگ میں لاشوں سے پاٹ دی
آخر اُسی لڑائی میں عمر اپنی کاٹ دی

(۱۳۱)

مشہور بعد اُن کے ہوئے جعفرؑ جری
جن کو رسولِؐ حق نے عطا کی تھی افسری
پاکر نشانِ فوج بڑھی اور صفدری
دی ہر وغا میں لشکرِ اعدا کو ابتری
ہر ایک ہوش جنگ کے ہوتے ہی کھو گئے
شانے کٹا کے جعفرِ طیارؑ ہو گئے

(۱۳۲)

ہے تیسرا وہ چرخِ شجاعت کا آفتاب
جس کو دیا رسولؐ نے کرّار کا خطاب
زہرے گئے وغا میں دلیروں کے آب آب
پلٹے ہر اک نبرد سے منصور و فتحیاب
آنکھوں میں تیغِ تیز کی اب تک چمک رہی
ایسی شکست دی کہ وہ یاد آج تک رہی

(۱۳۳)

کون اِس طرح لڑا ہے بھلا زیرِ آسماں
مشہور خاص و عام ہیں جن کی لڑائیاں
بدر و حنین و خیبر و صفین و نہرواں
برسا ہے ابرِ تیغ کا پانی کہاں کہاں
دامن عدو کا کفر کے کانٹوں سے بھر دیا
سرسبز دم میں گلشنِ اسلام کردیا

(۱۳۴)

واقف جہاں میں جو ہو وہ کر سکتا ہے بیاں
کب مجھ سے بڑھ کے دیکھی ہیں کس نے لڑائیاں
ہوتا تھا ہر نبرد و وغا میں میں زیرِ راں
ہے زانوؤں کا پہلوؤں میں آج تک نشاں
کم ہے مری نگاہ میں عزت گلاب کی
خوشبو مرے پسینے میں ہے بوتراب کی

(۱۳۵)

ہے فخر اس کا تو کہ قدیمی ہے خانہ زاد
جو مجھ کو یاد ہے وہ نہ ہوگا کسی کو یاد
برسوں علیؑ کے ساتھ رہا گو دمِ جہاد
الفت مگر حسینؑ سے رکھتا ہوں میں زیاد
کیوں دخل ہو یہاں نہ محبت کی راہ کو
میں نے ہی گودیوں میں کھلایا ہے شاہؑ کو

(۱۳۶)

اک روز کا سناؤں میں تم سب کو ماجرا
میرا جو مسجدِ نبوی میں گذر ہوا
زانو پہ تھے رسولِؐ خدا کے شہِ ہدیٰؑ
کم سن تھا انتہا کا جگر بندِ مصطفیٰؐ
دن تھے، خوشی کے، دور تھی صورت ملال کی
اُس وقت عمر ہوئے گی دو تین سال کی

(۱۳۷)

نزدِ رسولؐ جمع تھے اصحابِ با وفا
نانا سے اپنے کھیل رہا تھا یہ مہ لقاؑ
ہے یاد آج تک مجھے اُس دن کا واقعا
میرا شباب تھا مرے مولاؑ کا بچپنا
مانندِ انقلابِ جہاں سن گذر گئے
باتیں وہ یاد رہ گئیں گو دن گذر گئے

(۱۳۸)

جب مجھ پہ شاہزادۂ عالم نے کی نظر
فرمایا حکم اشارۂ سر سے کہ آ اِدھر
دیکھی جو یہ توجہِ سلطانؑ بحر و برّ
اصحاب جس قدر تھے ہوئے اُس سے باخبر
گودی میں چاہا لے لیں شہِ مشرقینؑ کو
ہم سب بٹھا دیں فاطمہؑ کے نورِ عین کو

(۱۳۹)

اصحاب سے رسولِؐ خدا نے یہ پھر کہا
جلدی نہ اِس میں چاہیئے ٹھہرو ابھی ذرا
حضرت تو جانتے تھے مرے دل کا مدّعا
یاں میں قریبِ سبطِ پیمبر پہنچ گیا
گھٹنوں کو اپنے ٹیک چکا جب زمین پر
میں نے سوار کرلیا مولاؑ کو زین پر

(۱۴۰)

دیکھا کیئے رسولِؐ خداوندِ مشرقین
میں جانتا تھا اُن کی اطاعت کو فرضِ عین
جب ہو چکا سوار بنِ فاتحِ حنین
اُٹھا کچھ اِس طرح سے کہ سنبھلے رہے حسینؑ
(پتلی زمیں سے سم کی مری آشنا نہ تھی
گو تھا بسانِ برق پہ جنبش ذرا نہ تھی)

(۱۴۱)

اچھی طرح جو بھر چکا زہراؑ کا نورِ عین
ہجرِ پسر میں تھا نہ اُدھر مصطفیٰؐ کو چین
لایا ادھر میں قربِ شہنشاہِ مشرقین
بیٹھے تھے جس طرح اُتر آئے یونہی حسینؑ
زہراؑ کا گل کھلا تو کلی دل کی کھل گئی
خوش یہ ہوئے تو دولتِ کونین مل گئی

(۱۴۲)

حیواں تو یہ خیال کریں وائے بر شہا
انسان ہوکے کرتے ہو اِس طرح کی خطا
قتل ان کا پہلے سوچ لو، اچھا ہے یا بُرا
عالم میں کیا نہیں یہ جگر بندِ مصطفیٰؐ
اپنے امامؑ وقت کا گر خوں بہاؤگے
مرنے کے بعد سیدھے جہنم میں جاؤگے

(۱۴۳)

بہتر ہے مان لو، جو نہ مانو تو ہم کو کیا
کام اک کے دوسرے کا نہ اعمال آئے گا
قبریں اسی سبب سے ہیں سب کی جدا جدا
سمجھو تو خیر، ورنہ بڑھو اب پئے وغا
گلزار پر تپش سے نہ صحرا پہ روپ ہے
فرقِ امامِ عصرؑ پہ عرصے سے دھوپ ہے

(۱۴۴)

حیوان کے کلام سے بگڑا ہر اک بشر
بہرِ وغا بڑھی سوئے شہؑ فوجِ بد گہر
آئے جو تیر بے ادبانہ اٹھائے سر
کی مڑ کے ذوالفقار پہ شبیرؑ نے نظر
باہر تڑپ کے یوں یہ دل آزار آ گئی
قبضے پہ ہاتھ، ہاتھ میں تلوار آ گئی

(۱۴۵)

باہر جو آئی نامِ علیؑ لے کے ذوالفقار
سر آسماں کا جھک گیا اللہ رے وقار
جبریلؑ سے پکار کے کہتی تھی بار بار
کاٹھی سے پھر میں نکلی ہوں، گیتی سے ہوشیار
پیکِ اجل کی دوست ہوں، بجلی سے بیر ہے
منظور برچھیوں کے قبیلوں کی سیر ہے

(۱۴۶)

پھر حکمِ کردگار کو لاؤگے یا نہیں
جنات کے بچانے کو آؤگے یا نہیں
برسوں کے بعد شکل دکھاؤگے یا نہیں
پھر پر زمیں کے نیچے بچھاؤگے یا نہیں
لاشوں سے سرکشی کے گڑھے پاٹتی چلوں
مل جائیں راہ میں تو انہیں کاٹتی چلوں

(۱۴۷)

مرغوب طبع تیغ کے تھے رن میں آؤ جاؤ
الّھڑ پنا وہ تھا کہ نہ تھا ایک سے لگاؤ
بے باکیاں یہ کہتی تھیں، کیا دے رہے ہو لاؤ
ظالم کی سادگی میں قیامت کا تھا بناؤ
ایسی ادائیں تھیں کہ کلیجوں کے پار تھیں
پروانہ وار حُسن پہ روحیں نثار تھیں

(۱۴۸)

پایا جو شوقِ (دید) میں زندوں کو مضمحل
سمجھی (مرے) فراق کا صدمہ ہے جانگسل
کہنے لگی پکار کے کیوں مضطرب ہے دل
اچھا یہی خوشی ہے، تو لے آ گلے سے مل
میں مانتی نہیں جو تجھے ہجر شاق ہے
خواہاں اجل کا ہے تو مرا اشتیاق ہے

(۱۴۹)

جاں لے رہی تھی لشکرِ اعدا کی دوبدو
یہ پاس آگئی تو رہی پھر نہ آرزو
ماہی کی طرح نیم بریدہ کیا گلو
دامن میں اپنے (لے) گئی بہتا ہوا لہو
گو باخبر تھا عشق سے پر بے خبر گرا
یہ ہٹ گئی جگر سے وہ دل تھام کر گرا

(۱۵۰)

دیتی تھی دم بدم یہ صدا رن میں ذوالفقار
جنگِ احد سے میری روانی ہے آشکار
شیرِ خداؑ کے ساتھ رہی وقتِ گیرودار
بئرالعلم تلک مری برش کی ہے پکار
انبوہ سے ڈرا نہ دلِ مطمئن مرا
عالم میں لوہا مانتے ہیں انس و جن مرا

(۱۵۱)

نازک بسان گل ہے مرا جسم اِس قدر
ہوتا شکم میں کچھ تو اسے دیکھتے بشر
(رکھتی نہ تھی جو تن میں میں اصلی دل وجگر)
شکلِ بشر کی آنے لگی کیفیت نظر
خالی کدورتوں سے مرا سینہ ہوگیا
تن اِس قدر تھا صاف کہ آئینہ ہوگیا

(۱۵۲)

کرتے تھے پیار جب مجھے سلطانِ انس وجاں
حیدرؑ کی مہربانیاں ہو جاتی تھیں عیاں
نازک یہ جلد تھی کہ ہر اک لب کا تھا نشاں
جوہر وہاں (بنے) مجھے چوما جہاں جہاں
ان کے کرم سے بانئ بیداد ہوگئی
لوہے میں رنگ آ گیا فولاد ہوگئی

(۱۵۳)

تھا مجھ سے کون بڑھ کے زمانے میں محترم
یہ مجھ پہ خاص تھا مرے اللہ کا کرم
زہراؑ کے فرشِ خواب پہ جاتی تھی دمبدم
ممکن نہ تھا جو اور کوئی رکھ سکے قدم
کیوں ہوتی وقتِ خواب کوئی بیکلی مجھے
زہراؑ کے ساتھ سوئے ہیں لے کر علیؑ مجھے

(۱۵۴)

آئی زمیں پہ چرخ سے جب بہرِ کارزار
عزّ و شرف ہوا مرا عالم پہ آشکار
ہے مثل میرے کون گراں قدر و با وقار
اُٹھا نہ اک کے ہاتھ سے دنیا میں میرا بار
مشکل سے میں نیام کے باہر نکلتی ہوں
چلتی بھی ہوں تو زورِ امامت سے چلتی ہوں

(۱۵۵)

وہ دوپہر کا وقت، وہ گرمی، وہ کارزار
وہ مہر کی تپش، وہ ہر اک تیغ شعلہ بار
وہ خنجروں کی گرم زبانیں وہ تیز دھار
ہر جسم میں وہ زخم کی سوزش وہ احتضار
راحت تنوں سے بھی یہ نکل کر نہ پاتی تھیں
روحیں تڑپ تڑپ کے جہنم میں جاتی تھیں

(۱۵۶)

تھے دھوپ کی تپش سے لبِ گور نیم جاں
شعلہ علم ہے دامنِ شعلہ ہے بادباں
ہوتی ہے وقتِ دید نظر پر چمک گراں
بجلی بنا ہوا تھا ہر اک پنجۂ نشاں
ایسے قریب و دور چکا چوند جاتی ہے
جنبش ہوئی تو برق سی اک کوند جاتی ہے

(۱۵۷)

گرمی ہے رن کی روزِ قیامت سی بے حساب
ممکن کہاں تپش سے جو سینے نہ ہوں کباب
چار آئنوں کو غور سے دیکھیں تو شیخ و شاب
پیدا اک آفتاب سے ہیں لاکھ آفتاب
(عالم میں دن گذر گئے سبزے کے روپ کے
کوسوں زمیں پہ دھوپ میں ٹکرے ہیں دھوپ کے)

(۱۵۸)

پھیلا ہوا تھا چار طرف دشت میں دھواں
تیغیں بسانِ سنگ تھیں رن میں شرر فشاں
کس حد پہ تھی حرارتِ خورشیدِ آسماں
اندازہ اس کا ہو نہیں سکتا دمِ بیاں
ایسی لگی تھی آگ زمیں آسمان میں
ضربُ المثل جو آج تلک ہے جہان میں

(۱۵۹)

لرزاں شب دہم سے تھے اشجار و بحر و بر
اس دن کا شام سے ہی ہر اک شئے پہ تھا اثر
گیتی کے دل کی طرح لرزتے تھے بام و در
تھی قبل ہی سے گرمیِ عاشور کی خبر
راحت نہ تھی جو قسمتِ بد کے بگاڑ میں
سوئے بھی تھے طیور تو پتوں کی آڑ میں

(۱۶۰)

خائف زمیں کی طرح تھے سکّانِ آسماں
ظلمت نہ تھی جلے ہوئے دل کا یہ تھا دھواں
پچھلے سے تھے جو حشر کے ساماں بہت عیاں
شب کا سحر کے ہوتے ہی باقی نہ تھا نشاں
قبلِ طلوعِ مہر اذیت اُٹھا گئی
پہلے سے رات اندھے کوئیں میں سما گئی

(۱۶۱)

اپنی تپش سے مہر کا خود قلب تھا کباب
لرزاں کیے ہوئے تھا کلیجے کا اضطراب
گردش دکھا رہا تھا زمانہ کا انقلاب
آگے نسیمِ صبح چلی، پیچھے آفتاب
اِس حد پہ اِتنی دھوپ تھی ایذا دیئے ہوئے
دامن تھا بادِ سرد کا منہ پر لئے ہوئے

(۱۶۲)

تڑپا رہی تھی شدّتِ گرمیِ آفتاب
کھاتا تھا جوش بن کے لہو کی طرح سے آب
یہ بحر کے پسینے کے قطرے ہیں یا حباب
کہتے ہیں جس کو موت، ہے دریا کا اضطراب
باقی جو ذائقہ نہ رہا تھا حیات کا
خود کروٹیں بدلتا تھا پانی فرات کا

(۱۶۳)

گرمی سے بادِ سام تھی خود رن میں بیقرار
وقتِ خرام دھوپ جو ہوتی تھی ناگوار
چلتی بھی تھی جو (ریت) میں اِس طرح بار بار
منہ پر رکھے ہوئے تھی ہوا دامنِ غبار
کب مہر کی تپش کی نظر تاب لاتی تھی
حدت وہ تھی کہ آنکھ ملائی نہ جاتی تھی

(۱۶۴)

کس سے بیاں ہو حدتِ میدانِ کارزار
کانٹوں کی طرح دشت میں بچھے ہوئے تھے تار
پایا کسی طرح کسی پہلو نہ جب قرار
ذرے بلند ہو کے چلے ہمرہِ غبار
(ترکِ جہاں کیا ہوسِ چرخ پیر میں
چنگاریاں چلیں کرہِ زمہریر میں)

(۱۶۵)

گو قربِ فوجِ ظلم تھا سقوں کا اژدہام
دل کی لگی بجھا رہے تھے ساکنانِ شام
(حملوں کی سعی لاتی تھی پانی کے سرد جام)
ہوتی تھی سوزِ دل سے مگر زندگی تمام
کھینچی تڑپ کے آہ تو صورت بدل گئی
سینے سے سانس ساتھ دھوئیں کے نکل گئی

(۱۶۶)

پی پی کے پانی لڑتی تھی افواجِ نابکار
مولاؑ بغیر آب تھے مصروفِ کارزار
آفت بپا کئے ہوئے تھی تیغِ شعلہ بار
بتلا رہی تھی گرد ہر اک دل کا انتشار
خنجر کی طرح دھوپ میں نیزے چمک چکے
دل سب نے رن میں چھوڑ دیئے، ہاتھ تھک چکے

(۱۶۷)

محشر صفوفِ اوّل و آخر میں ہے بپا
دکھلا رہی ہے رنگ نیا تیغِ برق زا
اِس کی چمک سے عقل نہیں دھوپ میں بجا
یہ قتل ہوگیا، تو وہ سمجھا میں دو ہوا
ہوتے تھے خیرہ دیدۂ وحش و طیور تک
جاتی ہے چھوٹ تیغ کی میداں میں دور تک

(۱۶۸)

مولاؑ عقب سے لیجئے فوجوں کا امتحاں
دم بھر میں بھاگا چاہتا ہے لشکرِ گراں
واں تو یہ گرد کر رہی ہے دمبدم بیاں
یاں بڑھ چکے ہیں غیظ میں سلطانؑ انس و جاں
منظور خود یہ ہے شہؑ گردوں جناب کو
اب دو شکست لشکرِ خانہ خراب کو

(۱۶۹)

اتنا خیال آتے ہی محشر ہوا بپا
انبوہِ فوجِ شام کو یوں منتشر کیا
گھوڑا بڑھا سروں پہ گری تیغ شعلہ زا
جھپٹے بڑے جلال میں سلطانؑ کربلا
تلوار دہنے بائیں لگاتے ہوئے چلے
زورِ یداللٰہی کو دکھاتے ہوئے چلے

(۱۷۰)

دو ہو رہے تھے مرحب و عنتر سے پہلواں
سالم نہ تھا سپہر کی طرح مغفرِ گراں
ریتی پہ سرد ہو چکے تھے گر کے نیم جاں
سنساں پڑے تھے (تیغوں) سے اجڑے ہوئے مکاں
دل برقِ ذوالفقار سے شیروں کا جل چکا
کہتی تھی چینِ فرشِ زمیں دم نکل چکا

(۱۷۱)

تلوار نے دکھا دیا طرفہ یہ سانحہ
آمادۂ فرار ہوئے رن میں اشقیا
تھی جس طرف کو پشت اُدھر منہ سپہ کا تھا
لشکر دبا کے لے چلے سلطانؑ کربلا
نکلا ہراس قلب کے شیشے کو توڑ کے
بھاگا رئیسِ فوج بھی خنجر کو چھوڑ کے

(۱۷۲)

جب حدِّ دشتِ جنگ سے باہر گئے قدم
تلوار روک کر یہ پکارے شہِ اممؑ
حملہ مرا یہ پہلا تھا اے لشکرِ ستم
تم جتنی دیر جمع ہو، دم لے لیں اُتنا ہم
(اس سے تھے کہ پیاس سے حال اپنا غیر ہے
پھر ہم ہیں، فوجِ شام ہے، کوفے کی سیر ہے)

(۱۷۳)

یہ کہہ کے اُس مقام تک آئے شہِ ہدٰاؑ
پہلے جہاں ہوئی تھی لڑائی کی ابتدا
لشکر چلا ادھر تو سوئے وادیِ وغا
تھی اس طرف یہ حالتِ سلطانِؑ کربلا
تڑپا رہے ہیں غم جو فلک کے دیئے ہوئے
دم لے رہے ہیں نیزے پہ تکیہ کئے ہوئے

(۱۷۴)

جب تک کریں حضور لڑائی کا انتظار
اے شوقِ جذب ساقیِ تسنیم کو پکار
ہجرِ نجف میں ہو نہ زیادہ تو بیقرار
لے دے کے سامنے نظر آتا ہے وہ دیار
باتیں ابھی تو چاہیئے ہیں تجھ کو ہوش کی
کر غور اگر تو آئے صدا مئے کے جوش کی

(۱۷۵)

کھویا وہ مے نے ہوش وہ شیشوں نے دی صدا
دو گام کیا بڑھا کہ نجف میں پہنچ گیا
اب کیا تھا، یہ تڑپ کے دلِ زار نے کہا
آیا ہوں جنگ چھوڑ کے ہو خیر ساقیا
بے حد تپاں ہے دل ہوسِ وصلِ حور میں
دو آتشہ شراب دے جامِ بلور میں

(۱۷۶)

ساغر پہ پڑ کے پھر نہ ہٹے رند کی نظر
دیکھوں جہاں، جہاں کا نگاہیں کریں سفر
دکھلائے جام مئے ترے اعجاز کا اثر
لے لوں جو ہاتھ میں تو جہاں کی ملے خبر
کیفیتِ نظارہ ہو جامِ بلور میں
ہو موج مئے شکن جو پڑے زلف حور میں

(۱۷۷)

درِّنجف کے جام میں گر ڈال دے شراب
جامِ جہاں نما بھی نہ پھر دے سکے جواب
اعجاز تیرا دیکھ لے ہر ایک شیخ و شاب
پیدا اک آفتاب سے ہوں گیارہ آفتاب
باریک ہیں کلام دلِ ناصبور کے
گیارہ اک آفتاب سے حصے ہوں نور کے

(۱۷۸)

محفل میں فیضِ عام ترا ہو اگر عیاں
بدلے نگاہِ دخترِ رز رنگِ آسماں
اب اور اس سے بڑھ کے ہو کیا ہجر مے گراں
(سانس اُلٹی سیدھی لیں جو صراحی کی ہچکیاں)
رنگ اُس طرف تو ساغرِ مئے کا بدل گیا
سمجھا میں اِس طرف کہ مرا دم نکل گیا

(۱۷۹)

پہنچا ہے ہجرِ دخترِ رز سے یہ حالِ زار
پیغامِ موت آتا ہے ہچکی سے بار بار
ہے ساقیا اگر مری صحت کا خواستگار
جلدی دوا یہ کر مری ہنگام احتضار
(ہرگز میں مئے کے ہوتے پیوں گا نہ آب میں
خاکِ شفا کو گھول کے دے دے شراب میں)

(۱۸۰)

دے اپنی بزم میں نہ مقطّر مجھے شراب
صدقہ تری عطا کا کرم کا ملے شباب
عصیاں کے درد سے مجھے بیحد ہے اضطراب
وہ کیوں نہ لوں کہ جس میں ہو، ہم خرما ہم ثواب
جس کا فراق شاق ہے وہ مئے بُلا کے دے
ہاں ہاں تو ساقیا مجھے مٹّی ملا کے دے

(۱۸۱)

دردِ دل و جگر سے تڑپتا ہوں روز و شب
جو کربلا سے اُنس ہے وہ جانتے ہیں سب
اس کا بھی ہجر مئے کی طرح دیتا ہے تعب
مرغوبِ طبعِ رند نہ کیوں ہو ہر اک عنب
بے ہوشیوں میں دردِ جگر کی دوا کہوں
انگور کو میں صرۂ خاکِ شفا کہوں

(۱۸۲)

ہاتھوں پہ میرے تھا جو مہکتا ہوا ایاغ
اِس آرزو نے بھر دیا میکش کے دل کا داغ
خنکی جگر تک آئی معطّر ہوا دماغ
خوشبو وہ پائی جس سے ہوا قلب باغ باغ
باقی رہی ہوس نہ کوئی دل ملول کی
اس پھول میں ہے بُو مرے ساقی کے پھول کی

(۱۸۳)

میداں میں جمع ہو رہی ہے فوجِ اہلِ کیں
برہم کھڑے ہیں دشتِ وغا میں امامِؑ دیں
کہنی تک آج غیظ میں اُلٹے ہیں آستیں
آئے نہ میری بات کا ساقی اگر یقیں
کر سرخ اور مئے سے مرے روئے زرد کو
گردن اُٹھا کے دیکھ لیں شیشے نبرد کو

(۱۸۴)

میں کہہ رہا تھا یہ کہ جو ساقی نے دی صدا
گر سیر ہو چکا ہو تو جا سوئے کربلا
تلوار کھینچ چکی ہے بڑھ آئے ہیں اشقیا
نزدیک وقت عصر ہے آخر ہے یہ وغا
جلدی بہت ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کو
(دیکھیں گے محو جنگ پہنچ کر حسینؑ کو)

(۱۸۵)

طے کرکے کربلا کی جو آیا نجف سے راہ
دیکھا وہی جو سن چکا تھا حالِ رزمگاہ
مشغولِ حرب و ضرب ملا فاطمہؑ کا ماہ
دو ہو رہے تھے رن میں جوانان کینہ خواہ
ندی لہو کی وقتِ وغا چڑھتی جاتی تھی
دو ہو کے فوجِ ظلم وستم بڑھتی جاتی تھی

(۱۸۶)

گھبرا رہے ہیں بُرّشِ شمشیر سے ملک
جاتی ہے ذوالفقار کی تا آسماں چمک
کشتوں کے اس طرح سے ہیں انبار چرخ تک
جائے عجب نہیں جو یہ گیتی سوئے فلک
(مشکات ہیں کلام میں باتیں یقین کی)
اُلٹی کھنچی ہیں آج طنابیں زمین کی

(۱۸۷)

ہنگامِ عصر آ جو چکا تھا دمِ جدال
چوٹیں منجی ہوئی تھیں قیامت کا تھا جلال
ہو ہو کے دو زمیں پہ تڑپتے تھے بدخصال
لاشیں کچل رہا تھا فرس، تن تھے پائمال
ایذائے بارِ سُم دلِ بسمل پہ سہ گئے
ہچکی جو لی تو زخموں کے منہ کھل کے رہ گئے

(۱۸۸)

دکھلا رہے تھے جنگ میں زورِ یداللّٰہی
پیوندِ خاک ہو رہا تھا ہر تنِ قوی
پھر اک طرف پڑی سپہِ شر میں ابتری
غالب رہا ہر اک پہ جگر گوشۂ علیؑ
رویا ہر اک جراحتِ تن منہ کو کھول کے
سوئے یمیں، یسار کو لے آئے رول کے

(۱۸۹)

اس سمت اُدھر سے آئی جو افواجِ بدمآل
گیتی ہوئی سموں سے سمندوں کے پائمال
کب دو طرف بگولے اٹھے ہیں دمِ جدال
یہ پیر زالِ دہر نے کھولے ہیں سر کے بال
صدمے جو اُٹھ سکے نہ دلِ بیقرار کے
پھینکی زمیں پہ گرد کی چادر اُتار کے

(۱۹۰)

باقی رکھی نہ تیغ نے اعدا کی خود سری
بھاگا ہر ایک، پڑ گئی لشکر میں ابتری
(آزادیوں میں بھی نہ رہے قید سے بری)
اُٹھا غبار، کھنچ گئی سدِّ سکندری
ہر فرق اُڑ کے تیغ کے دامن میں آ گیا
پیکِ قضا جھپٹ کے لعینوں کو پا گیا

(۱۹۱)

تھا غیظِ شاہِ دیںؑ سے عیاں قہرِ کردگار
لرزاں تھے بر و بحر و زمیں، دشت و کوہسار
یہ وقتِ عصر حملۂ آخر تھا یادگار
اس حد پہ نیچوں کو بھی تھا خوفِ کارزار
ہو ہو کے ذوالفقار سے دو، فوج بڑھ گئی
گھبرا کے رن میں دھوپ بلندی پہ چڑھ گئی

(۱۹۲)

فوجوں کا ذوالفقار نے توڑا وہ بندوبست
کھا کھا کے تن پہ زخم ہوئے سیر، فاقہ مست
خود اپنی سرکشی نے کیا وقتِ جنگ پست
دی بختِ بد نے دشت میں اچھی طرح شکست
اُکھڑا ہوا قدم نہ لڑائی میں جم سکا
لشکر پڑاؤ پر بھی پہنچ کر نہ تھم سکا

(۱۹۳)

گردش نصیب بخت جو تھی زیرِ آسماں
تھا اپنے اختیار میں کب لشکرِ گراں
پائی نہ دہنے بائیں جو تلوار سے اماں
(گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئے راس ناتواں)
رن میں شکستِ فاش ہزاروں کو دے چلے
مولاؑ سپاہِ ظلم کو کوفے میں لے چلے

(۱۹۴)

لشکر کو مل سکی نہ جو رن میں اماں کہیں
ہر بار بڑھتا جاتا تھا غیظِ امامِؑ دیں
اس حد پہ جان توڑ کے بھاگا ہر اک لعیں
کوفے کے در تک آ گئی افواجِ اہلِ کیں
لشکر جدارِ شہر سے آکر جو مل گیا
پہنچی دھمک، زمیں کی طرح، قلعہ ہل گیا

(۱۹۵)

دیکھا جب اس طریق سے فوجوں کا انتشار
لاحول پڑھ کے تھم گیا زہراؑ کا یادگار
تلوار رکھ کے دوش پہ بولے بصد وقار
کیوں دیکھی تین روز کے پیاسے کی کارزار
چاہوں تو مل سکے نہ یہاں بھی اماں تمہیں
لایا ہوں میں بھگا کے کہاں سے کہاں تمہیں

(۱۹۶)

ایسی کسی میں دیکھی ہے طاقت کرو تو غور
میری وغا نے محو کیا سرکشی کا طور
بھولے بنِ زیاد تعدی و ظلم و جور
دارالامارہ تیغ سے اُلٹوں بڑھوں جو اور
میں داد حرب و ضرب کو دیتا ہوا پھروں
چاہوں تو سر شریر کا لیتا ہوا پھروں

(۱۹۷)

لیکن مجھے پسند نہیں یوں کبھی دغا
بس کر چکا جہاد میں اے قومِ اشقیا
اک اس میں مصلحت تھی جو اس حد پہ یوں لڑا
غصے سے ورنہ مجھ سے مسافر کو دخل کیا
آمادہ ہوں جہاں سے گذرنے کے واسطے
آیا ہوں گھر کو چھوڑ کے مرنے کے واسطے

(۱۹۸)

بھولے گی کچھ دنوں نہ زمانے کو یہ وغا
خیر آؤ بہرِ قتل اب اس گفتگو سے کیا
اپنی خوشی سے طے نہ کروں گا یہ راستا
تم آکے لے چلو تو چلوں سوئے کربلا
زخموں سے چور چور نہ ہوں گا جو راہ میں
کیونکر کروگے ذبح مجھے قتل گاہ میں

(۱۹۹)

جب یہ یقیں ہوا نہ لڑیں گے امامِ دیںؑ
آمادہ ہو کے قتل پہ پلٹی سپاہِ کیں
تیغیں کھنچیں، خدنگ چلے، برچھیاں اُٹھیں
گھوڑے بڑھے، غبار اُٹھا، ہل گئی زمیں
(چلّائے یوں کماں کی فلک تک صدا گئی
نزدیک فوجِ شام و رے و روم آ گئی)

(۲۰۰)

یوں کربلا کو جا رہے ہیں شاہِ نامدارؑ
مارا کسی کو، کھا لیا تن پر کسی کا وار
دو کرکے اُس کو خاک سے اُٹھی جو ذوالفقار
خود اپنے زخمِ تن سے بھی اُٹھی لہو کی دھار
جس سر پہ آئی تیغ، دم اُسکے اُکھڑ گئے
دو چار وار رد کئے دو چار پڑ گئے

(۲۰۱)

طے اس طرح سے کر رہے تھے رن کا راستا
دکھلائی دی جو اتنے میں سرحدِ کربلاؑ
مقتل تک آ چکے جو شہنشاہؑ دوسرا
مولاؑ نے ذوالفقار کو کاٹھی میں رکھ لیا
پھر ہٹ کے قتل گہہ سے نہ شہؑ دو قدم گئے
سر کو جھکا کے دشت میں اک جا پہ تھم گئے

(۲۰۲)

روکے ہوئے فرس کو جو ہیں بادشاہِ دیں
ہے رن میں اک مقام پہ انبوہِ اہلِ کیں
حربے لگا رہا ہے برابر ہر اک لعیں
ڈوبے ہوئے ہیں خون سے دامان و آستیں
نزدیک ہے جو ظلمتِ شب آفتاب سے
بند آنکھیں ہوتی جاتی ہیں خوں کی نقاب سے

(۲۰۳)

مقتل میں بڑھتا جاتا ہے ہر لحظہ ضعفِ دل
تن سے نکل کے خوں کئے دیتا ہے مضمحل
پڑتے ہیں تیر جسم پہ آ آ کے متصل
پیغامِ موت دیتا ہے ہر رنجِ جاں گسل
ہر بار دل کی چوٹ یہ ایذا بڑھاتی ہے
ہچکی جگر پہ تیر کے پڑنے سے آتی ہے

(۲۰۴)

ہے آگ وقتِ قتل جو وادیٔ پُر بلا
تکلیف میں ہے فاطمہؑ کی گود کا پلا
کرتا ہے سوزِ زخم اذیت میں مبتلا
پڑتا ہے تن پہ تیغ کی گرمی سے آبلا
حیران تھا کہ شہؑ کو جہاں میں ہے جور بھی
سوزش جگر کی بڑھ گئی چھالوں سے اور بھی

(۲۰۵)

کس حد پہ تھا تحمّلِ سلطانِؑ کربلا
تکلیف زخم کی تھی جدا، چھالوں کی جدا
دو طرح جسمِ شہؑ تھا اذیت میں مبتلا
اب اس سے بڑھ کے کیا ہو جراحت کی انتہا
روتے تھے بے کسیٔ شہِ دیں پہ ٹوٹ کے
ہوتے ہیں زخم، جسم پہ چھالے بھی پھوٹ کے

(۲۰۶)

تیغیں کہیں ہیں اور کہیں برچھیاں علم
نکلے ہوئے نیام سے ہیں خنجرِ دو دم
ہے مستعد جو قتل پہ ہر بانیِ ستم
ہر بار چاہتاہے یہ اسپِ سبک قدم
مولاؑ سے دشمنی ہے ہر اک کینہ خواہ کو
اس بھیڑ سے میں لے کے نکل جاؤں شاہؑ کو

(۲۰۷)

کہتے ہیں باگ کھینچ کے شاہِؑ فلک مقام
لے کر کہاں چلا مجھے اے اسپِ تیز گام
(تشنہ لبی میں قتل کے ہوتے ہیں اہتمام)
ہو جاؤں میں شہید تو بن جائیں میرے کام
موت آج اگر نہ آئے گی مجھ دل ملول کی
قعرِ سقر میں جائے گی امت رسولؐ کی

(۲۰۸)

تو اپنے دل پہ مجھ سے مسافر کا غم نہ کھا
چھٹ کر ہر اک سے خلق میں زندہ رہا تو کیا
بھائی کمر کو توڑ کے مجھ سے ہوئے جدا
بن بیاہے قتل ہوگئے ہمشکلِ مصطفیؐ
نکلی ہوس نہ دخترِ شیرِ اللہ کی
نیند اُڑ گئی تھی راتوں کی حسرت میں بیاہ کی

(۲۰۹)

بتلاؤں کیا کہ ہوتا ہے کیا حالِ قلبِ زار
کہتی ہے جب یہ دخترِ خاتونِ روزگار
تم بن نہیں ہے اے علی اکبرؑ مجھے قرار
کس وقت رن سے آؤ گے گھر میں یہ ماں نثار
تنتے ہوئے مکاں میں چلے آؤ شیر سے
رستہ تمہارا دیکھ رہی ہوں میں دیر سے

(۲۱۰)

چھوٹے ضعیف باپ سے جب اس طرح پسر
کیونکر کرے وہ صبر کہ خوں ہیں دل و جگر
اس غم کا کیا بتاؤں پڑا کس طرح اثر
اب انتہا یہ ہے کہ کچھ آتا نہیں نظر
گو دن ہے پر شکایتِ ضعفِ نگاہ ہے
آنکھوں میں میری سارا زمانہ سیاہ ہے

(۲۱۱)

گھوڑے سے کہہ رہے تھے ابھی یہ شہِؑ انام
جو سر پہ آ کے پڑ گئی اک قہر کی حسام
ڈوبا لہو میں چہرۂ مولاؑئے خاص و عام
سر کو پکڑ کے زیں پہ جھکا وہ فلک مقام
بے حد ہوا الم دلِ اندوہناک پر
خوں کہنیوں سے بہنے لگا فرشِ خاک پر



ماتم کی صدا

فدائے اہلبیت آنجہانی برج ناتھ پرشاد مخمور لکھنوی

ہر عزادار سمجھ لے گا وفا میرے بعد
پھر کرے گا مری بخشش کی دعا میرے بعد
خاک ہو جاؤں گا جل کر میں چتا میں لیکن
خاک سے آئے گی ماتم کی صدا میرے بعد

عزادارِ حسین

روشنی پہنچا رہی ہے شمعِ رخسارِ حسینؑ
جگمگاتا جا رہا ہے اور دربارِ حسینؑ
الفتِ شبیرؑ میں مذہب کی پابندی نہیں
ہندوؤں میں بھی ہزاروں ہیں عزادارِ حسینؑ

